ـــــ یہ سرمایہ دارانہ نظام!

پچھلی ایک صدی کے واقعات نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ بغیر کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی کے سوسائٹی میں انصاف اور عدل قائم نہیں رہ سکتا۔ جب لوگوں کی زندگی کا منتہاے مقصود دنیوی فوائد ولذائذ سمیٹنا ہو تو پھر ان کی نظروں سے جائز و ناجائز کی تمیز بالکل اوجھل ہو جاتی ہے۔ انھیں اس بات کی کوئی فکر نہیں رہتی کہ اُن کے آمدنی کے ذرائع کن کن طریقوں سے سماج میں ظلم وستم، بےحیائی اور بدمعاشی کو ترقی دے رہے ہیں۔ دولت کے پجاری کی حیثیت سے اُس کا نقطۂ نظر صرف یہی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اُسے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنی چاہیے، خواہ اُس سے اُس کی قوم اور ملّت یا پوری انسانیت کو کتنا ہی نقصان پہنچے۔ اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ اُس کی آمدنی شراب کی فروخت، رقص وسُرود کی محفلیں سجانے اور فحش لٹریچر کی اشاعت اور اخلاق سوز تصویریں دکھانے سے بڑھتی ہے تو فوراً اپنا روپیہ ان کاموں میں کھپا دیتا ہے، اور قطعاً محسوس نہیں کرتا کہ اُس کی اِن حرکات سے سماج کو بحیثیت مجموعی کس قدر خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، کتنی عصمتیں لٹتی ہیں، کتنی عفتیں برباد ہوتی ہیں، کتنے نوجوان آوارگی کا شکار ہوتے ہیں اور کتنے افراد مجرم بنتے ہیں۔

یہی نہیں، بلکہ سرمایہ کاری کا رُخ فواحش کی طرف موڑ دینے سے ضروریاتِ زندگی کم یاب بلکہ نایاب ہو جاتی ہیں۔ عوام گندم کے ایک ایک دانے کے لیے ترستے ہیں، انھیں موسمی ضروریات کے لیے تو کیا اپنا ستر تک چھپانے کے لیے کپڑا نہیں ملتا۔ اُن کے بچے دودھ کے ایک ایک قطرے کے لیے بلکتے ہیں اور اُس کے برعکس دوسری طرف سرمایہ داروں کی دولت پرستی اور نفع اندوزی کے طفیل انسانوں کا ایک قلیل طبقہ رفیع الشان محلات میں رہ کر اپنا سارا وقت عیش وتنعم میں بسر کرتا ہے۔ وہ دل جو خوفِ خدا سے خالی ہوں، جن کے اندر احساسِ جواب دہی ناپید ہو وہ اتنے بےحس ہوتے ہیں کہ لوگوں کے بڑے سے بڑے مصائب اُن کے اندر معمولی سے معمولی ارتعاش بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (’انسانیت کی تعمیرنو اور اسلام‘، عبدالحمید صدیقی، ترجمان القرآن، جلد ۴۱، عدد ۲، صفر ۱۳۷۳ھ، نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۴۹-۵۰)